

رسائل و مسائل

ہڑتال کا جواز

گذشتہ آٹھ سال سے ایک ہائی سکول میں استاد ہوں۔ میں نے محسوس کیا ہے کہ اپنے مطالبات کی منظوری کے لیے اکثر ہڑتالوں کا سہارا لیا جاتا ہے۔ ساتھیوں کی ناراضی کے باوجود میں نے بھی ہڑتال میں حصہ نہیں لیا ہے کیونکہ میرے خیال میں بغیر مزدوری اجرت لینے کا تصور غالباً کسی مذہب میں بھی نہیں ہے۔ ہڑتال کی شرعی حیثیت واضح کریں کیونکہ جماعت بھی اکثر ہڑتالوں کا مطالبہ کرتی رہتی ہے۔

تمہیداً، یہ سمجھنا ضروری ہے کہ پاکستان کا موجودہ معاشی، معاشرتی اور سیاسی نظام غیر اسلامی اصولوں پر قائم ہے، جس کی وجہ سے زندگی کے ہر شعبے میں بے اعتدالی و بے انصافی اور خود غرضی و مفاد پرستی کے جراثیم پھیلے ہوئے ہیں۔ معیشت اور حکومت کا سارا نظام ظلم و استحصال پر مبنی ہے۔ ایک جانب سے کوشش یہ کی جاتی ہے کہ کام زیادہ سے زیادہ لیا جائے اور اجرت کم سے کم دی جائے اور دوسری جانب سے کوشش کی جاتی ہے کہ کام کم سے کم لیا جائے اور اجرت زیادہ سے زیادہ طلب کی جائے۔ ہر ایک دوسرے کا استحصال کرنے کی کوششوں میں مصروف ہے، لیکن زیادہ ظلم کلرکوں اور چھوٹے ملازمین پر ہوتا ہے کہ ان کو کم سے کم منصفانہ اجرت بھی نہیں ملتی اور حکومت کے وزیروں، مشیروں اور بڑے افسروں کی تنخواہیں اور مراعات قومی آمدن کے اعتبار سے ان کے اصل حق سے بھی بہت زیادہ ہیں۔ اس ظالمانہ اور غیر عادلانہ معاشی تفاوت کے نتیجے میں باہمی اخوت کی بجائے رقابت اور تعاون کی بجائے تابغض کے جذبات ابھرتے ہیں اور مظلوم کو جب بھی موقع ملتا ہے وہ ظالم کے خلاف اٹھ کھڑا ہوتا ہے، ہڑتالیں ہوتی ہیں، لائٹنیاں برستی ہیں، آنسو گیس بھینکی جاتی ہے اور گولیاں چلتی ہیں۔ اس صورت حال کے نتیجے میں فساد فی الارض رونما ہوتا ہے اور امن و امان کی صورت حال خراب ہونے کی وجہ سے مزدور، کلرک اور غریب کی روٹی، کپڑا اور مکان تینوں اور زیادہ منگتے ہو جاتے ہیں۔ ظلم و استحصال کے اس نظام سے نکلنے کا واحد علاج یہ ہے کہ اس پورے نظام کو ختم کر کے اسلام کا عادلانہ نظام لایا جائے تاکہ ہر ایک کو اس کا حق مل سکے اور کوئی کسی کا استحصال نہ کر سکے۔

لیکن یہ نظام تب آئے گا جب کلرکوں، ملازمین، حکومت، مزدوروں، کسانوں، مردوں، عورتوں، علما و مشائخ، نوجوانوں، بوڑھوں، اور عام مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد میں اس نظام کی طلب، تڑپ اور پیاس پیدا ہو جائے گی۔ ضرورت اسی تڑپ اور شعوری طلب پیدا کرنے کی ہے۔

اب لیجیے آپ کا سوال

ملازمت خواہ حکومت کی ہو، نجی اداروں کی ہو یا اشخاص کی ہو، دراصل ایک عقد اور معاہدہ ہے جو آجر اور اجیر کے درمیان ہوتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام اور شعیب علیہ السلام کے درمیان جو معاملہ ہوا تھا، قرآن میں اس کو معاہدہ کہا گیا ہے۔ قال ذالک بینی و بینک ”موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ یہ معاہدہ ہے میرے اور تیرے درمیان“۔ فقہانے بھی لکھا ہے کہ ”الاجارۃ عقد علی المنافع بعوض“ ”اجارہ ایک معاہدہ ہے جو معاوضے پر کسی شخص یا کسی چیز سے فائدہ اٹھانے کے لیے کیا جاتا ہے“۔ اسلام نے اس معاہدے کے فریقین کو ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رکھنے کی بڑی تاکید کی ہے۔ آجر کو ہدایت کی گئی ہے کہ خادم اور نوکر تمہارے زر خرید غلام نہیں ہیں بلکہ تمہارے بھائی ہیں، جو خود کھاتے ہو ان کو بھی کھلاؤ، جو خود پہننے ہو ان کو بھی پہناؤ اور ان پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالو، اور اگر ڈال ہی دیا ہو تو ان کی مدد کرو۔ اجیر کو متنبہ کیا گیا ہے کہ مالک کا مال اور اس کا کام تمہارے پاس امانت ہے جس کے بارے میں تم سے پوچھا جائے گا (بخاری و مسلم)۔ آجر اور اجیر دونوں ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔ اس لیے آجر کا اجیر پر کوئی خصوصی احسان نہیں ہے اور دونوں کو باہمی تعاون اور خیر خواہی کے سچے جذبے کے ساتھ کام کرنا چاہیے۔

جب ملازمت ایک معاہدہ ہے تو منصفانہ اجرت اور کام کی نوعیت طے کرنے میں آجر اور اجیر دونوں کی رضامندی ضروری ہے اور دونوں ان شرائط کے پابند ہوں گے جو معاہدے کے وقت طے کی گئی ہیں یا جو عرف عام میں معروف ہیں بشرطیکہ وہ قرآن و سنت کے صریح احکام کے خلاف نہ ہوں۔ آج کل منصفانہ اجرت طے کرنے اور اپنے حقوق حاصل کرنے کے لیے ہڑتال عرف عام میں ایک مسلمہ اور معروف حق ہے جو معاہدے میں شامل سمجھا جاتا ہے۔ جس طرح ایام تعطیلات کی تنخواہ اور دوسری مراعات معاہدے میں شامل ہوتی ہیں اور ان ایام میں کام کیے بغیر ملازم تنخواہ کا حق دار ہوتا ہے جیسا کہ معروف ہے اور فقہانے بھی تعطیلات کے دنوں کی تنخواہ کو جائز قرار دیا ہے۔ (مجموعہ شامی، ج ۳، ص ۳۸۰)۔

اسی طرح اپنے جائز مطالبات اور منصفانہ اجرت کے حصول کے لیے احتجاج کرنا اور ہڑتال کرنا جائز ہے اور احتجاج و ہڑتال کے ایام کی تنخواہ لینا بھی جائز ہے۔ اس لیے کہ یہ بھی عرف عام میں معروف ہے اور معاہدے میں شامل ہے۔ البتہ ایسی ہڑتال کرنا جس کے نتیجے میں بد امنی، انتشار، تشدد و

دہشت گردی پھیلتی ہو اور فساد فی الارض رونما ہوتا ہو یا اس کے ذریعے ایسے مطالبات دباؤ کے ذریعے منوانا مقصود ہوں جو قومی آمدن کے اعتبار سے منصفانہ نہ ہوں اور ایسے مطالبات کرنا اور ان کے لیے احتجاج اور ہڑتال کرنا معاہدے کی شرائط میں شامل بھی نہ ہو تو اس کی اجازت شریعت نہیں دیتی اور یہ اخلاقاً بھی جائز نہیں ہے۔ یہ تو ہوئی سرکاری یا نجی اداروں کے ملازمین کی ہڑتال کی بات۔ باقی رہی ملک کے عام تاجروں، ٹرانسپورٹروں اور زندگی کی دوسری سرگرمیوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی ہڑتال، احتجاج اور مظاہرے تو اخلاق و قانون کی حدود کے اندر رہتے ہوئے پر امن طور پر ان چیزوں کے ذریعے جائز مطالبات منوانے اور عوام کے حقوق اور مفادات کے تحفظ کی کوشش کرنا جائز ہے۔ اس لیے کہ یہ دور حاضر کے معروف طریقے ہیں اور اسلام میں ان کی ممانعت کی دلیل موجود نہیں ہے۔ اسی طرح حکومت کا احتساب کرنا، اس کو عدل و انصاف پر قائم رکھنے یا اگر اصلاح پذیر نہ ہو تو اس کو ہٹانے اور بدلنے کے لیے پر امن مظاہروں، ہڑتالوں اور رائے عامہ کا دباؤ، اِلْتِمَاعِ حاضری کے معروف طریقے ہیں اور اگر مسلح بغاوت نہ ہو، تشدد و دہشت سے کام نہ لیا جائے، مطالبات و مقاصد جائز ہوں اور حکومت فاسق و ظالم ہو تو شریعت میں بھی اس کی ممانعت نہیں ہے بلکہ یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ایک جدید انداز ہے جسے اختیار کرنا چاہیے (گگوہر رحمان)۔

وراثت کا ایک مسئلہ

ہم چار بھائیوں کی ایک بہن تھی جن کا کچھ عرصہ قبل انتقال ہو گیا ہے اور جن کے ہاں کوئی اولاد نہ تھی۔ ان کی زندگی میں ایک وقت ایسا آیا جب ان کے خاوند بیمار ہو گئے (ان کا بھی اب انتقال ہو چکا ہے) تو انھوں نے اپنی اولاد کو محروم کرتے ہوئے اپنی ساری جائیداد اپنی زندگی میں اپنی بیوی یعنی ہماری بہن کے نام کرادی۔ پھر خدا کا کرنا یہ ہوا کہ وہ تو صحت یاب ہو گئے لیکن ہماری بہن انتقال کر گئیں۔ وہ اپنے حقیقی وارثوں کو کچھ زیادہ پسند نہیں کرتے تھے۔ ہماری ہمیشہ کے انتقال کے بعد موجودہ پاکستانی قانون وراثت کے تحت آدھی زمین ہم چار بھائیوں کے نام آجاتی ہے اور آدھی زمین ان کے شوہر کے نام منتقل ہو جاتی ہے اور ہم نے اس زمین کا قبضہ وغیرہ بھی لے لیا ہے اور اب وہ آدھی زمین ہمارے تصرف میں ہے۔ اب میرے تین سوال ہیں:

۱- میں حقیقی اسلامی روح کے مطابق اس زمین کا حقدار ہوں یا نہیں جو ہم چار بھائیوں یا میرے حصے میں آئی ہے؟

۲- جو زمین میرے حصے میں آئی ہے اگر میں اس کا اسلامی روح کے مطابق حقدار نہیں ہوں، تو کیا مجھے وہ زمین اس کے حقیقی وارثوں کو واپس کر دینی چاہیے؟

۳- اگر میں اس زمین کا حقدار نہیں ہوں تو کیا اسلامی قانون وراثت مجھے یہ اجازت دیتا ہے کہ میں وہ زمین حقیقی وارثوں کے حوالے نہ کروں بلکہ وہ زمین، یا اسے فروخت کر کے اس سے حاصل کی ہوئی رقم

کو اس شخص کے نام پر جس کی زمین تھی کسی صدقہ جاریہ میں لگا دوں؟

اصل جواب سے پہلے آپ چار اصول اچھی طرح ذہن نشین کر لیجیے، اس لیے کہ جواب انھی

چار اصولوں پر مبنی ہے۔

اصل اول: صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ اگر کوئی شخص مرض موت کی حالت میں کسی وارث کو بہہ کے طور پر کوئی چیز ملکا دے، یا اس کے لیے وصیت کرے، تو اس بہہ اور وصیت کے معتبر اور نافذ ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ دوسرے وارث اجازت دے دیں اور راضی ہو جائیں۔ ورنہ یہ بہہ اور وصیت بے اثر ثابت ہوں گے۔ لیکن جس مرض سے مریض صحت یاب ہو جائے وہ مرض موت شمار نہیں ہو گا اور اس میں کیے گئے تصرفات بیح بہہ یا وصیت کا حکم وہن ہو گا جو صحت کی حالت میں دیے گئے بہہ یا کی گئی وصیت کا ہے (ہدایہ باب العتق فی مرض الموت)

اصل دوم: حالت مرض میں ایسا عمل کرنا یا ایسی وصیت کرنا جس سے شرعی وارثوں کو نقصان پہنچتا ہو، سخت گناہ ہے، خواہ وہ وارث اس مورث کے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہوں یا برا سلوک کرتے ہوں۔ اللہ و رسول کے مقرر کردہ وارثوں کو محروم کرنے یا ان کو نقصان و ضرر پہنچانے کے لیے کوئی عمل یا وصیت کرنا عقل و نقل دونوں کے اعتبار سے قابل مذمت ہے۔ اس لیے کہ وارثوں کے لیے زیادہ سے زیادہ مال چھوڑ کر جانا صدقہ اور خیرات کا حکم رکھتا ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔

اصل سوم: حالت صحت میں اپنی کل جائیداد یا اس کا کچھ حصہ اپنے شرعی وارثوں میں سے کسی ایک وارث کو بہہ کرنا اور اس کے نام منتقل کرنا سخت ناپسندیدہ اور فعل مکروہ تو بالاتفاق ہے، اور آخرت میں مواخذہ کا بھی شدید خطرہ ہے۔ لیکن اگر کسی نے عقل و ہوش اور صحت کی حالت میں یا اس مرض کی حالت میں جس سے وہ صحت یاب ہو گیا ہو، کسی ایک وارث کو یہ بہہ اور عطیہ دے دیا ہو تو شرعاً یہ معتبر ہے یا نہیں، اس بارے میں اہل سنت کا دلائل و روایات کی بنا پر اختلاف رائے ہے۔ مگر جمہور کا مسلک یہ ہے کہ مکروہ اور ناپسندیدہ ہونے کے باوجود یہ بہہ نافذ ہو جائے گا اور موہوب لہ نے اگر بہہ کردہ چیز پر قبضہ کر لیا ہو تو وہ مالک بن جائے گا۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے (حافظ ابن حجر عسقلانی مکی کتاب فتح الباری شرح بخاری کتاب البہہ باب البہہ للولد ص ۱۴۱ تا ۱۴۳)۔

اصل چہارم: جب تک بہہ کردہ چیز پر موہوب لہ کا قبضہ مکمل نہ ہو جائے، اس وقت تک صرف زبانی یا تحریری طور پر بہہ کرنے سے بہہ مکمل نہیں ہو سکتا اور جس کے نام بہہ کیا گیا ہو اس کی ملکیت ثابت نہیں ہو سکتی۔ قبضہ سے مراد صرف سرکاری کاغذات میں انتقال ملکیت کا اندراج نہیں ہے بلکہ عملاً تصرف کرنا مراد ہے، خود تصرف کرے یا وکیل کے ذریعے کرے۔

ان اصول اربعہ کی بنا پر آپ کے سوال کا جواب یہ ہے: اگر آپ کی ہمشیرہ نے اپنے شوہر کی بہہ

کردہ جائیداد پر قبضہ کر لیا تھا اور شوہر یا کسی دوسرے وکیل کے ذریعے ہبہ شدہ جائیداد میں تصرفات شروع کر دیے تھے تو جائیداد اس کی ملکیت میں شرعاً داخل ہو گئی ہے اور اس کے مرنے کے بعد نصف حصہ اس کے شوہر کو ملے گا اور باقی نصف اس کے بھائیوں کو ملے گا۔ لیکن اگر آپ کی بہن نے مرنے سے پہلے قبضہ نہیں لیا تھا تو وہ جائیداد کی مالکہ نہیں بنی تھی، اس لیے جائیداد حسب سابق اس کے شوہر کی ملکیت ہوگی اور اس کے شوہر کے ورثہ کے طور پر ہی تقسیم ہوگی (گ۔د)۔

پگڑی کا مسئلہ

موجودہ زمانے میں اکثر لوگ مالک دوکان کو ایک متعین رقم، جو جانبین میں طے ہو، دیتے ہیں اور مالک دوکان وہ رقم اپنے پاس رکھتے ہیں یا دوکان بنانے پر خرچ کرتے ہیں۔ جب دوکان تیار ہو جاتی ہے تو اس آدمی کے حوالہ کرتا ہے جس سے رقم لی۔ اس رقم کو عرف عام میں لنگی بولتے ہیں۔ مالک دوکان، اس رقم کے علاوہ اپنا کرایہ جتنا کہ طے ہو جائے وصول کرتا ہے۔ مگر کرایہ دار کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ دوکان میں خود کاروبار کرے یا کسی اور کو کرایہ پر دے دے اور جتنے کرایہ پر دے مالک دوکان کو اس میں دخل نہیں ہوتا۔ جب تک کہ مالک دوکان وہ رقم واپس نہ کرے۔ ہاں اگر مالک دوکان رقم نہیں دیتا تو پھر کرایہ دار وہ رقم کسی اور آدمی سے لیتا ہے اور دوکان اس کے حوالے کرتا ہے۔ رقم دینے والا پہلا کرایہ دار درمیان سے نکل جاتا ہے اور مالک دوکان کا نئے کرایہ دار کے ساتھ وہ معاملہ ہوتا ہے جو پہلے مالک دوکان کے ساتھ تھا۔ کوئی کرایہ دار ایسا بھی کرتا ہے کہ نئے کرایہ دار سے بجائے چالیس ہزار پچاس ہزار کم و بیش رقم لیتا ہے۔ یہ زائد رقم پرانا دوکان دار خود دیتا ہے اور قابل واپس نہیں ہوتی۔ براہ مہربانی مسئلے کے دونوں رخ واضح فرمائیں کہ پہلی صورت میں جانبین سے رقم لینے والے کرایہ دار اور مالک دوکان کے لیے کچھ حرامت ہے کہ نہیں اور اگر ہے تو صرف مالک دوکان کے لیے ہے کہ مفت میں رقم اپنے پاس رکھتا ہے یا دونوں کے لیے ہے۔ دوسری صورت میں جو زائد رقم پہلا کرایہ دار دوسرے کرایہ دار سے وصول کرتا ہو تو وہ حرام ہے یا نہیں جس کے بدلے میں اس کو دوکان مل جاتی ہے۔

۱۔ مالک مکان یا مالک دوکان طے شدہ ماہانہ یا سالانہ کرایہ کے علاوہ کرایہ دار سے جو رقم یک مشت لیتا ہے اور کرایہ دار یہ رقم اس لیے دیتا ہے کہ اسے جگہ مل جائے، اس کا حق طویل مدت تک بحال رہے اور مالک اس کو بے دخل نہ کر سکے، اس رقم کو برصغیر ہند و پاک میں پگڑی کہتے ہیں اور آپ کے علاقے میں اسے اٹلی کہتے ہیں اور فقہ کی کتابوں میں اس کو خلو یا خلو کہا جاتا ہے۔ اس پگڑی کی پیشگی رقم کی دو صورتیں ہیں: ایک جائز ہے اور دوسری ناجائز ہے۔

جائز صورت یہ ہے کہ مالک مکان یا مالک دوکان اور کرایہ دار کے درمیان معاہدے (عقد) کے وقت دلی رضامندی سے طے ہو جائے کہ یہ اجارہ اتنی مدت کے لیے ہے، مثلاً ۱۰ یا ۲۰ سال کے لیے ہے، اور اس متعین مدت کے پیشگی کرائے کے طور پر اتنی رقم یک مشت ادا کرنی پڑے گی اور ماہانہ

یا سالانہ کرایہ اس حساب سے اس کے علاوہ ادا کرنا ہو گا۔ یعنی پیشگی لی گئی رقم اور ماہانہ یا سالانہ کرایہ دونوں مجموعی طور پر دوکان یا مکان کا کرایہ ہو گا۔ اور مدت متعینہ سے پہلے کرایہ دار کو بے دخل کرنے کا حق مالک کو حاصل نہیں ہو گا اس لیے کہ اس نے کرائے میں سے ایک بڑی رقم پیشگی وصول کر لی ہے اور کرایہ دار نے یہ رقم ادا کر کے اپنا حق کرایہ داری محفوظ کر لیا ہے۔ اگر شرعی عذر کی وجہ سے طے شدہ مدت سے پہلے یہ معاہدہ (عقد اجارہ) ختم ہو جائے تو مالک پر لازم ہے کہ باقی ماندہ مدت کے بدلے میں ایک مشت لی گئی رقم کا محتاجہ بنتا ہے وہ کرایہ دار کو واپس کر دے۔ یہ صورت شریعت سے متصادم نہیں ہے اور جائز ہے۔ مگر اجارہ موقتہ یعنی متعینہ مدت کے لیے کیے گئے اجارے کا معاہدہ شرعی اعذار (جن کی تفصیل فقہ میں موجود ہے) کے بغیر ختم کرنا جائز نہیں ہے اس لیے کہ قرآن کریم کا حکم ہے کہ اوفوا بالعقود ”اپنے معاہدے پورے کرو“۔ اس حکم سے وہ عقود و معاہدے مستثنیٰ ہیں جو غیر شرعی شرائط پر مشتمل ہوں مثلاً سودی معاہدے یا وہ معاہدہ جو بجائے خود کسی برائی کے کرنے یا کسی بھلائی کے نہ کرنے کا معاہدہ ہو۔ اس لیے کہ ایسے معاہدے کا توڑنا واجب ہے اور پورا کرنا ممنوع ہے۔ البتہ اعذار شرعیہ کی بنا پر اجارے کا معاہدہ فسخ کرنا جائز ہے۔ علامہ مرغینانی لکھتے ہیں۔ تفسیح الاحادیث بالاعذار ”اجرت کا معاہدہ عذر کی بنا پر فسخ کیا جاسکتا ہے“ (ہدایہ)۔

(۲) چونکہ مذکورہ صورت میں کرایہ دار کو وقت مقررہ تک اپنا قبضہ برقرار رکھنے کا حق حاصل ہے اس لیے اگر مالک شرعی عذر کے بغیر مدت اجارہ کے دوران کرایہ دار کو بے دخل کر کے دکان خالی کرنا چاہتا ہو تو اس غیر قانونی بے دخلی کی صورت میں کرایہ دار کو حق حاصل ہو گا کہ وہ پیشگی رقم کا بقایا طلب کرنے کے علاوہ کچھ مزید رقم دینے کا مطالبہ کرے۔ یہ مزید رقم حق کرایہ داری کی قیمت نہیں ہے۔ اس لیے کہ ”مقوق مجردہ“ کی بیع جائز نہیں ہے بلکہ یہ رقم اپنے حق سے دست برداری کے بدلے میں بطور مصالحت دی اور لی جاتی ہے۔ جب مالک غیر قانونی (غیر شرعی) بے دخل کرنا چاہتا ہے اور کرایہ دار اس کے لیے تیار نہیں ہے کہ وقت سے پہلے دکان خالی کر دے اور اپنے حق سے دستبردار ہو جائے تو تنازعے کو رفع کرنے کے لیے فریقین باہمی رضامندی سے جتنی رقم طے کر لیں تو اس کا لینا دینا جائز ہے۔

صلح کے طور پر اپنے جائز حق سے دستبرداری کا عوض لینے کی مثالیں فقہ کی کتابوں میں موجود ہیں جن سے اہل علم بخوبی واقف ہیں لیکن یہ حکم اس صورت کے لیے ہے جب عقد اجارہ متعینہ مدت کے لیے ہو۔ اس لیے کہ اگر مدت اجارہ متعین نہ ہو تو مالک جب چاہے بے دخل کر سکتا ہے۔ کرایہ دار کو قبضہ برقرار رکھنے کا حق حاصل نہیں ہے اور جب حق ہی نہیں ہے تو اس سے دستبرداری کا عوض لینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

یا سالانہ کرایہ اس حساب سے اس کے علاوہ ادا کرنا ہو گا۔ یعنی پیشگی لی گئی رقم اور ماہانہ یا سالانہ کرایہ دونوں مجموعی طور پر دوکان یا مکان کا کرایہ ہو گا۔ اور مدت متعینہ سے پہلے کرایہ دار کو بے دخل کرنے کا حق مالک کو حاصل نہیں ہو گا اس لیے کہ اس نے کرائے میں سے ایک بڑی رقم پیشگی وصول کر لی ہے اور کرایہ دار نے یہ رقم ادا کر کے اپنا حق کرایہ داری محفوظ کر لیا ہے۔ اگر شرعی عذر کی وجہ سے طے شدہ مدت سے پہلے یہ معاہدہ (عقد اجارہ) ختم ہو جائے تو مالک پر لازم ہے کہ باقی ماندہ مدت کے بدلے میں یک مشت لی گئی رقم کا بھتا حصہ بنتا ہے وہ کرایہ دار کو واپس کر دے۔ یہ صورت شریعت سے متصادم نہیں ہے اور جائز ہے۔ مگر اجارہ موقتہ یعنی متعینہ مدت کے لیے کیے گئے اجارے کا معاہدہ شرعی اعذار (جن کی تفصیل فقہ میں موجود ہے) کے بغیر ختم کرنا جائز نہیں ہے اس لیے کہ قرآن کریم کا حکم ہے کہ او فوالعقد د ”اپنے معاہدے پورے کرو“۔ اس حکم سے وہ عقود و معاہدے مستثنیٰ ہیں جو غیر شرعی شرائط پر مشتمل ہوں مثلاً سودی معاہدے یا وہ معاہدہ جو بجائے خود کسی برائی کے کرنے یا کسی بھلائی کے نہ کرنے کا معاہدہ ہو۔ اس لیے کہ ایسے معاہدے کا توڑنا واجب ہے اور پورا کرنا ممنوع ہے۔ البتہ اعذار شرعیہ کی بنا پر اجارے کا معاہدہ فسخ کرنا جائز ہے۔ علامہ مرغینانی ^{رحمۃ اللہ علیہ} لکھتے ہیں۔ تفسیح الاجارۃ بالاعذار ”اجرت کا معاہدہ عذر کی بنا پر فسخ کیا جاسکتا ہے“ (ہدایہ)۔

(۲) چونکہ مذکورہ صورت میں کرایہ دار کو وقت مقررہ تک اپنا قبضہ برقرار رکھنے کا حق حاصل ہے اس لیے اگر مالک شرعی عذر کے بغیر مدت اجارہ کے دوران کرایہ دار کو بے دخل کر کے دکان خالی کرانا چاہتا ہو تو اس غیر قانونی بے دخلی کی صورت میں کرایہ دار کو حق حاصل ہو گا کہ وہ پیشگی رقم کا بقایا طلب کرنے کے علاوہ کچھ مزید رقم دینے کا مطالبہ کرے۔ یہ مزید رقم حق کرایہ داری کی قیمت نہیں ہے۔ اس لیے کہ ”حقوق مجردہ“ کی بیع جائز نہیں ہے بلکہ یہ رقم اپنے حق سے دست برداری کے بدلے میں بطور مصالحت دی اور لی جاتی ہے۔ جب مالک غیر قانونی (غیر شرعی) بے دخل کرنا چاہتا ہے اور کرایہ دار اس کے لیے تیار نہیں ہے کہ وقت سے پہلے دکان خالی کر دے اور اپنے حق سے دستبردار ہو جائے تو تنازعے کو رفع کرنے کے لیے فریقین باہمی رضامندی سے جتنی رقم طے کر لیں تو اس کا لینا دینا جائز ہے۔

صلح کے طور پر اپنے جائز حق سے دستبرداری کا عوض لینے کی مثالیں فقہ کی کتابوں میں موجود ہیں جن سے اہل علم بخوبی واقف ہیں لیکن یہ حکم اس صورت کے لیے ہے جب عقد اجارہ متعینہ مدت کے لیے ہو۔ اس لیے کہ اگر مدت اجارہ متعین نہ ہو تو مالک جب چاہے بے دخل کر سکتا ہے۔ کرایہ دار کو قبضہ برقرار رکھنے کا حق حاصل نہیں ہے اور جب حق ہی نہیں ہے تو اس سے دستبرداری کا عوض لینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

(۳) اگر کوئی دوسرا شخص اس دکان یا مکان کو کرائے پر لینا چاہتا ہو تو پہلے کرایہ دار کو حق حاصل ہو گا کہ وہ وقت مقررہ اور مدت متعینہ تک اپنے حق کرایہ داری سے دست بردار ہونے کا عوض طلب کرے۔ یہ عوض نہ دکان کا کرایہ ہے اور نہ دکان کی قیمت ہے۔ اس لیے کہ دکان تو کرایہ دار کی ملکیت نہیں ہے بلکہ یہ مدت متعینہ سے قبل اپنے ”حق قرار“ یعنی قبضے سے دستبردار ہونے کا عوض ہے جو باہمی رضامندی سے لیا اور دیا جاتا ہے۔ باقی رہن وہ رقم جو مالک کو بطور پیشگی کرایہ دی گئی تھی تو اس کا جو حصہ باقی ماندہ مدت کا بنتا ہے وہ تو کرایہ دار کا حق ہے اور جس کے لیے یہ دکان خالی کرتا ہے اس سے وصول کرے گا خواہ مالک دکان کے لیے خالی کرے یا نئے کرایہ دار کے لیے خالی کرے۔ لیکن کرایہ داری کی متعینہ مدت کے ختم ہو جانے کے بعد جب پہلا کرایہ دار دوسرے کرایہ دار کے لیے دکان یا مکان خالی کرتا ہے تو اس پر عوض نہیں لے سکتا۔ اس لیے کہ مدت اجارہ پوری ہو جانے کے بعد اس کا حق ختم ہو جاتا ہے۔ ذاکر و ہبۃ الزحلی نے بھی اس صورت کو جائز قرار دیا ہے اور شافعیہ، مالکیہ، حنفیہ کے بعض علماء و فقہاء سے اس کے نظائر کا حوالہ دیا ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ میں نے متاخرین علماء مالکیہ کا فتویٰ ایک رسالے میں دیکھا ہے جس میں مذکورہ صورت میں ”خلوات“ یعنی پگڑیوں کو جائز قرار دیا گیا ہے (الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۴، ص ۷۵۱-۷۵۲)۔

(۴) پگڑی اور لنگی کی دوسری صورت وہ ہے جو ناجائز ہے اور شریعت کے کسی قاعدے کے تحت نہیں آتی اور وہ یہ ہے کہ مکان یا مکان کا کرایہ مالک اور کرایہ دار کے درمیان الگ سے باہمی رضامندی سے طے ہو جاتا ہے مگر اس طے شدہ کرایہ پر دینے کی شرط یہ لگائی جاتی ہے کہ اتنی رقم مالک کو کرائے کے علاوہ دی جائے گی اور بالعموم قبضہ دینے سے پہلے وصول کر لی جاتی ہے۔ یہ رقم ہزاروں میں بھی ہوتی ہے اور لاکھوں میں بھی ہوتی ہے اور یہ مکان یا دکان کا پیشگی کرایہ نہیں ہوتا بلکہ ویسے ہی لنگی اور پگڑی کے نام سے وصول کی جاتی ہے۔ یہ ناجائز ہے اور ایک طرح کی رشوت ہے اور شرط فاسد ہے جو عقد اجارہ کے وقت لگائی جاتی ہے۔ پہلی صورت میں ایک مشت دی گئی رقم کرائے کا ایک حصہ تھی جو پیشگی دے کر کرایہ دار نے مدت مقررہ تک اپنا حق کرایہ داری محفوظ کر لیا تھا اور مدت پوری ہونے پر معاملہ ختم ہو جاتا اور مالک و کرایہ دار کے درمیان کوئی مالی لین دین باقی نہ رہتا۔ البتہ نیا معاہدہ نئی شرائط کے ساتھ یا انھی پرانی شرائط کے ساتھ دوبارہ کر سکتے تھے۔ دوران مدت اگر کرایہ دار مالک کے لیے یا کسی اور کے لیے دکان خالی کرنے پر راضی ہو جاتا تو دست برداری کا عوض طلب کرنے کے علاوہ پیشگی دیے گئے کرائے کا باقی ماندہ حصہ بھی وصول کر سکتا تھا لیکن اس دوسری صورت میں جو رقم مالک نے لی ہے اور کرایہ دار نے دی ہے اس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے بلکہ ایک قسم کی رشوت ہے جو دی گئی ہے۔ کرایہ دار کو شرعاً ”یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ غیر شرعی طریقے پر دی گئی

رقم نئے کرایہ دار سے طلب کرے۔ یہ ایک مالی نقصان ہے جو اس نے خود اپنے اوپر عائد کیا ہے۔ اس کا بوجھ نئے کرایہ دار پر ڈال کر اپنا نقصان پورا کرنا نہ اخلاقاً جائز ہے اور نہ شرعاً جائز ہے۔ مسلمان تاجروں کا دین فرض ہے کہ وہ پگڑی کے اس غیر شرعی رواج کو ختم کر کے اس کی جگہ پگڑی کی پہلی جائز صورت کو اپنانے کی کوشش کریں تاکہ غلط طریقے کی اصلاح ہو جائے اور صحیح طریقہ مارکیٹ میں مروج ہو جائے۔

(۵) ایک تیسری صورت بھی ہے جس کا مروجہ پگڑی اور لنگی سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ دور کا تعلق بھی نہیں ہے اور وہ بھی جائز ہے۔ وہ صورت یہ ہے کہ کرایہ دار نے دکان یا مکان میں اپنی ذاتی رقم سے کچھ تعمیرات کی ہوں یا استعمال کی چیزیں بنائی ہوں مثلاً الماریاں وغیرہ۔ ان تعمیرات یا اشیا استعمال (اعیان قائمہ) کو فقہی اصطلاح میں جدک اور سکنی کہتے ہیں۔ ابن عابدین شامی نے ”مستقج الفتاویٰ الخامدیہ“ میں ان اصطلاحات کی بڑی اچھی تشریح کی ہے۔ (ج ۲، ص ۲۱۸-۲۱۹)۔ یہ چیزیں چونکہ دکان اور مکان کے مالک کی ملکیت نہیں ہیں بلکہ کرایہ دار کی ملکیت ہیں اس لیے دکان خالی کرتے وقت نئے کرایہ دار سے ان چیزوں کی قیمت وصول کرنے کا اسے حق حاصل ہے۔ اور اگر فروخت نہ کرنا چاہے یا نیا کرایہ دار ان کو خریدنے کے لیے تیار نہ ہو تو ان چیزوں کو اکھاڑ کر دوہری جگہ منتقل کر سکتا ہے۔ فقہ کی بعض کتابوں میں سکنی سے متعلق بعض احکام بیان ہوئے ہیں جس سے بعض لوگوں کو غلط فہمی ہو سکتی تھی اور بعض اہل علم کو بھی یہ غلط فہمی لاحق ہو گئی تھی کہ سکنی سے مراد پگڑی ہے اس لیے علامہ شامی نے اپنی محولہ بالا کتاب میں اور علامہ حموی نے شرح الاشباہ ج ۱، ص ۱۳۶-۱۳۸ میں پوری وضاحت فرمادی ہے کہ سکنی سے مراد وہ چیز نہیں ہے جس کو فقہ میں خلو (پگڑی اور لنگی) کہا جاتا ہے بلکہ اس سے مراد ”اعیان قائمہ مملوکہ“ یعنی وہ چیزیں ہیں جو کرایہ دار کی ملکیت ہیں اور دکان یا مکان میں پائیدار شکل میں عماً موجود ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان کی قیمت نئے کرایہ دار سے یا مالک سے لینا بالاتفاق جائز ہے۔ (۱-د)۔